تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِى الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿٧٨﴾

تیرے پروردگار کا نام بابرکت ہے [1] جو عزت و جلال والا ہے۔(٧٨)

سُوْرَةُ الْوَاقِعَة

سورۂ واقعہ مکی ہے اور اس میں چھیانوے آیتیں اور تین رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿١﴾
جب قیامت قائم ہو جائے گی۔ [2] (١)

لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ﴿٢﴾
جس کے واقع ہونے میں کوئی جھوٹ نہیں۔(٢)

خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ﴿٣﴾
وہ پست کرنے والی اور بلند کرنے والی ہو گی۔ [3] (٣)

تصوف باور کراتے ہیں۔ چوتھے ' بار بار یہ سوال کہ تم اللہ کی کون کون سی نعمتوں کی تکذیب کرو گے؟ یہ توبیخ اور تہدید کے طور پر ہے ' جس کا مقصد اس اللہ کی نافرمانی سے روکنا ہے ' جس نے یہ ساری نعمتیں پیدا اور مہیا فرمائیں۔ اسی لیے نبی ﷺ نے اس کے جواب میں یہ پڑھنا پسند فرمایا ہے۔ لَا بِشَيْءٍ مِنْ نِعَمِكَ رَبَّنَا نُكَذِّبُ فَلَكَ الْحَمْدُ "اے ہمارے رب ہم تیری کسی بھی نعمت کی تکذیب نہیں کرتے ' پس تمام تعریفیں تیرے ہی لیے ہیں" (سنن الترمذی والصحیحۃ للألبانی) لیکن اندرون صلاۃ اس جواب کا پڑھنا مشروع نہیں۔

(١) تَبَارَكَ ' برکت سے ہے جس کے معنی دوام و ثبات کے ہیں۔ مطلب ہے اس کا نام ہمیشہ رہنے والا ہے ' یا اس کے پاس ہمیشہ خیر کے خزانے ہیں۔ بعض نے اس کے معنی بلندی اور علو شان کے کیے ہیں اور جب اس کا نام اتنا بابرکت یعنی خیر اور بلندی کا حامل ہے تو اس کی ذات کتنی برکت اور عظمت و رفعت والی ہو گی۔

☆ اس سورت کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ سُوْرَةُ الْغِنَى (تونگری کی سورت) ہے اور جو شخص اس کو ہر رات پڑھے گا اسے کبھی فاقہ نہیں آئے گا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس سورت کی فضیلت میں کوئی مستند روایت نہیں ہے۔ ہر رات پڑھنے والی اور بچوں کو سکھانے والی روایتیں بھی ضعیف بلکہ موضوع ہیں۔ (دیکھئے الأحادیث الضعیفۃ ' للألبانی حدیث نمبر ۲۹۱-۲۹۱ ج ۱/ ۳۰۵)

(٢) واقعہ بھی قیامت کے ناموں میں سے ہے ' کیونکہ یہ لامحالہ واقع ہونے والی ہے ' اس لیے اس کا یہ نام بھی ہے۔

(٣) پستی اور بلندی سے مطلب ذلت اور عزت ہے۔ یعنی اللہ کے اطاعت گزار بندوں کو یہ بلند اور نافرمانوں کو پست کرے

إِذَا رُجَّتِ الْأَرْضُ رَجًّا ﴿٤﴾	جبکہ زمین زلزلہ کے ساتھ ہلا دی جائے گی۔(۴)
وَبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ﴿٥﴾	اور پہاڑ بالکل ریزہ ریزہ کر دیے جائیں گے۔[۱] (۵)
فَكَانَتْ هَبَاءً مُّنۢبَثًّا ﴿٦﴾	پھر وہ مثل پراگندہ غبار کے ہو جائیں گے۔(۶)
وَكُنتُمْ أَزْوَاجًا ثَلَاثَةً ﴿٧﴾	اور تم تین جماعتوں میں ہو جاؤ گے۔[۲] (۷)
فَأَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ مَا أَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ ﴿٨﴾	پس داہنے ہاتھ والے کیسے اچھے ہیں داہنے ہاتھ والے۔[۳] (۸)
وَأَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ مَا أَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ ﴿٩﴾	اور بائیں ہاتھ والے کیا حال ہے بائیں ہاتھ والوں کا۔[۴] (۹)
وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ ﴿١٠﴾	اور جو آگے والے ہیں وہ تو آگے والے ہی ہیں۔[۵] (۱۰)
أُولَٰئِكَ الْمُقَرَّبُونَ ﴿١١﴾	وہ بالکل نزدیکی حاصل کیے ہوئے ہیں۔(۱۱)
فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ﴿١٢﴾	نعمتوں والی جنتوں میں ہیں۔(۱۲)
ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ ﴿١٣﴾	(بہت بڑا) گروہ تو اگلے لوگوں میں سے ہو گا۔(۱۳)
وَقَلِيلٌ مِّنَ الْآخِرِينَ ﴿١٤﴾	اور تھوڑے سے پچھلے لوگوں میں سے۔[۶] (۱۴)

گی، چاہے دنیا میں معاملہ اس کے برعکس ہو۔ اہل ایمان وہاں معزز و مکرم ہوں گے اور اہل کفر و عصیان ذلیل و خوار۔

(۱) رَجًّا کے معنی حرکت و اضطراب (زلزلہ) اور بس کے معنی ریزہ ریزہ ہو جانے کے ہیں۔

(۲) أَزْوَاجًا: أَصْنَافًا کے معنی میں ہے۔

(۳) اس سے عام مومنین مراد ہیں جن کو ان کے اعمال نامے دائیں ہاتھوں میں دیئے جائیں گے جو ان کی خوش بختی کی علامت ہو گی۔

(۴) اس سے مراد کافر ہیں جن کو ان کے اعمال نامے بائیں ہاتھوں میں پکڑائے جائیں گے۔

(۵) ان سے مراد خواص مومنین ہیں، یہ تیسری قسم ہے جو ایمان قبول کرنے میں سبقت کرنے اور نیکی کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو قرب خاص سے نوازے گا، یہ ترکیب ایسے ہی ہے، جیسے کہتے ہیں، تو تو ہے اور زید زید، اس میں گویا زید کی اہمیت اور فضیلت کا بیان ہے۔

(۶) ثُلَّةٌ، اس بڑے گروہ کو کہا جاتا ہے جس کا گننا ناممکن ہو۔ کہا جاتا ہے کہ اولین سے مراد حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک کی امت کے لوگ ہیں اور آخرین سے امت محمدیہ کے افراد۔ مطلب یہ ہے کہ پچھلی امتوں میں سابقین کا ایک بڑا گروہ ہے، کیونکہ ان کا زمانہ بہت لمبا ہے جس میں ہزاروں انبیا کے سابقین شامل ہیں ان کے مقابلے میں امت محمدیہ کا زمانہ (قیامت تک) تھوڑا ہے، اس لیے ان میں سابقین بھی بہ نسبت گزشتہ امتوں کے

عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ۝١٥

یہ لوگ سونے کے تاروں سے بنے ہوئے تختوں پر-(۱۵)

مُّتَّكِـِٕيْنَ عَلَيْهَا مُتَقٰبِلِيْنَ ۝١٦

ایک دوسرے کے سامنے تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے-[۱] (۱۶)

يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ۝١٧

ان کے پاس ایسے لڑکے جو ہمیشہ (لڑکے ہی)[۲] رہیں گے آمدورفت کریں گے-(۱۷)

بِاَكْوَابٍ وَّاَبَارِيْقَ ۙ وَكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ۝١٨

آبخورے اور جگ لے کر اور ایسا جام لے کر جو بہتی ہوئی شراب سے پر ہو-(۱۸)

لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ ۝١٩

جس سے نہ سر میں درد ہو نہ عقل میں فتور آئے-[۳] (۱۹)

وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ ۝٢٠

اور ایسے میوے لیے ہوئے جو ان کی پسند کے ہوں-(۲۰)

وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ۝٢١

اور پرندوں کے گوشت جو انہیں مرغوب ہوں-(۲۱)

وَحُوْرٌ عِيْنٌ ۝٢٢

اور بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں-(۲۲)

تھوڑے ہوں گے- اور ایک حدیث میں آتا ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "مجھے امید ہے کہ تم جنتیوں کا نصف ہو گے"- (صحیح مسلم، نمبر ۲۰۰) تو یہ آیت کے مذکورہ مفہوم کے مخالف نہیں- کیونکہ امت محمدیہ کے سابقین اور عام مومنین ملا کر باقی تمام امتوں سے جنت میں جانے والوں کا نصف ہو جائیں گے، اس لیے محض سابقین کی کثرت (سابقہ امتوں میں) سے حدیث میں بیان کردہ تعداد کی نفی نہیں ہو گی- مگر یہ قول محل نظر ہے اور بعض نے اولین و آخرین سے اسی امت محمدیہ کے افراد مراد لیے ہیں- یعنی اس کے پہلے لوگوں میں سابقین کی تعداد زیادہ اور پچھلے لوگوں میں تھوڑی ہو گی- امام ابن کثیر نے اسی دوسرے قول کو ترجیح دی ہے- اور یہی زیادہ درست معلوم ہوتا ہے- یہ جملہ معترضہ ہے، فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ اور عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ کے درمیان-

(۱) مَوْضُوْنَةٌ، بنے ہوئے، جڑے ہوئے- یعنی مذکورہ جنتی سونے کے تاروں سے بنے اور سونے جواہر سے جڑے ہوئے تختوں پر ایک دوسرے کے سامنے تکیوں پر بیٹھے ہوں گے یعنی رو در رو ہوں گے نہ کہ پشت بہ پشت-

(۲) یعنی وہ بڑے نہیں ہوں گے کہ بوڑھے ہو جائیں نہ ان کے خدوخال اور قدوقامت میں کوئی تغیر واقع ہو گا، بلکہ ایک ہی عمر اور ایک ہی حالت پر رہیں گے، جیسے نوعمر لڑکے ہوتے ہیں-

(۳) صُدَاعٌ، ایسے سر درد کو کہتے ہیں جو شراب کے نشے اور خمار کی وجہ سے ہو اور اِنْزَافٌ کے معنی، وہ فتور عقل جو مدہوشی کی بنیاد پر ہو- دنیا کی شراب کے نتیجے میں یہ دونوں چیزیں ہوتی ہیں، آخرت کی شراب میں سرور اور لذت تو یقیناً ہو گی لیکن یہ خرابیاں نہیں ہوں گی- مَعِیْن، چشمہ جاری جو خشک نہ ہو-

كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُوءِ الْمَكْنُوْنِ ﴿٢٣﴾
جو چھپے ہوئے موتیوں کی طرح ہیں۔[1] (۲۳)

جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٢٤﴾
یہ صلہ ہے ان کے اعمال کا۔(۲۴)

لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا ﴿٢٥﴾
نہ وہاں بکواس سنیں گے اور نہ گناہ کی بات۔(۲۵)

اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ﴿٢٦﴾
صرف سلام ہی سلام کی آواز ہو گی۔[2] (۲۶)

وَاَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ﴿٢٧﴾
اور داہنے ہاتھ والے کیا ہی اچھے ہیں داہنے ہاتھ والے۔[3] (۲۷)

فِيْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ﴿٢٨﴾
وہ بغیر کانٹوں کی بیریوں۔(۲۸)

وَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ﴿٢٩﴾
اور تہ بہ تہ کیلوں۔(۲۹)

وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ﴿٣٠﴾
اور لمبے لمبے سایوں۔[4] (۳۰)

وَّمَآءٍ مَّسْكُوْبٍ ﴿٣١﴾
اور بہتے ہوئے پانیوں۔(۳۱)

وَّفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ ﴿٣٢﴾
اور بکثرت پھلوں میں۔(۳۲)

لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ ﴿٣٣﴾
جو نہ ختم ہوں نہ روک لیے جائیں۔[5] (۳۳)

---

(۱) مَكْنُوْنٌ، جسے چھپا کر رکھا گیا، اس کو کسی کے ہاتھ لگے ہوں نہ گرد و غبار اسے پہنچا ہو۔ ایسی چیز بالکل صاف ستھری اور اصلی حالت میں رہتی ہے۔

(۲) یعنی دنیا میں تو باہم لڑائی جھگڑے ہی ہوتے ہیں، حتیٰ کہ بہن بھائی بھی اس سے محفوظ نہیں، اس اختلاف و نزاع سے دلوں میں کدورتیں اور بغض و عناد پیدا ہوتا ہے جو ایک دوسرے کے خلاف بدزبانی، سب و شتم، غیبت اور چغل خوری وغیرہ پر انسان کو آمادہ کرتا ہے۔ جنت ان تمام اخلاقی گندگیوں اور بے ہودگیوں سے نہ صرف پاک ہو گی، بلکہ وہاں سلام ہی سلام کی آوازیں سننے میں آئیں گی، فرشتوں کی طرف سے بھی اور آپس میں اہل جنت کی طرف سے بھی۔ جس کا مطلب ہے کہ وہاں سلام و تحیہ تو ہو گا لیکن دل اور زبان کی وہ خرابیاں نہیں ہوں گی جو دنیا میں عام ہیں حتیٰ کہ بڑے بڑے دین دار بھی ان سے محفوظ نہیں۔

(۳) اب تک سابقین (مُقَرَّبِيْنَ) کا ذکر تھا، أَصْحَابُ الْيَمِيْنِ سے اب عام مومنین کا ذکر ہو رہا ہے۔

(۴) جیسے ایک حدیث میں ہے کہ ”جنت کے ایک درخت کے سائے تلے ایک گھوڑ سوار سو سال تک چلتا رہے گا، تب بھی، وہ سایہ ختم نہیں ہو گا“۔ (صحيح بخاری، تفسير سورة الواقعة، مسلم، كتاب الجنة، باب إن في الجنة شجرة.......)

(۵) یعنی یہ پھل موسمی نہیں ہوں گے کہ موسم گزر گیا تو یہ پھل بھی آئندہ فصل تک ناپید ہو جائیں، یہ پھل اس طرح فصل گل و لالہ کے پابند بھی نہیں ہوں گے، بلکہ ہر وقت دستیاب رہیں گے۔

وَّ فُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ﴿۳۴﴾
اور اونچے اونچے فرشوں میں ہوں گے۔[1] (۳۴)

اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ﴿۳۵﴾
ہم نے ان (کی بیویوں کو) خاص طور پر بنایا ہے۔(۳۵)

فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ﴿۳۶﴾
اور ہم نے انہیں کنواریاں بنا دیا ہے۔[2] (۳۶)

عُرُبًا اَتْرَابًا ﴿۳۷﴾
محبت والیاں اور ہم عمر ہیں۔[3] (۳۷)

لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۳۸﴾
دائیں ہاتھ والوں کے لیے ہیں۔(۳۸)

ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۹﴾
جم غفیر ہے اگلوں میں سے۔[4] (۳۹)

وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ﴿۴۰﴾
اور بہت بڑی جماعت ہے پچھلوں میں سے۔[5] (۴۰)

وَاَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۥ مَآ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ﴿۴۱﴾
اور بائیں ہاتھ والے کیا ہیں بائیں ہاتھ والے۔[6] (۴۱)

فِيْ سَمُوْمٍ وَّحَمِيْمٍ ﴿۴۲﴾
گرم ہوا اور گرم پانی میں (ہوں گے) (۴۲)

---

(۱) بعض نے فرشوں سے بیویوں اور مرفوعہ سے بلند مرتبہ کا مفہوم مراد لیا ہے۔

(۲) أَنْشَأْنٰهُنَّ کا مرجع اگرچہ قریب میں نہیں ہے لیکن سیاق کلام اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس سے مراد اہل جنت کو ملنے والی بیویاں اور حور عین ہیں۔ حوریں، ولادت کے عام طریقے سے پیدا شدہ نہیں ہوں گی، بلکہ اللہ تعالیٰ خاص طور پر انہیں جنت میں اپنی قدرت خاص سے بنائے گا، اور جو دنیاوی عورتیں ہوں گی، تو وہ بھی حوروں کے علاوہ اہل جنت کو بیویوں کے طور پر ملیں گی، ان میں بوڑھی، کالی، بدشکل، جس طرح کی بھی ہوں گی، سب کو اللہ تعالیٰ جنت میں جوانی اور حسن و جمال سے نواز دے گا، نہ کوئی بوڑھی، بوڑھی رہے گی، نہ کوئی بدشکل، بدشکل بلکہ سب باکرہ (کنواری) کی حیثیت میں ہوں گی۔

(۳) عُرُبٌ، عَرُوْبَةٌ کی جمع ہے۔ ایسی عورت جو اپنے حسن و جمال اور دیگر محاسن کی وجہ سے خاوند کو نہایت محبوب ہو۔ أَتْرَابٌ تِرْبٌ کی جمع ہے۔ ہم عمر، یعنی سب عورتیں جو اہل جنت کو ملیں گی، ایک ہی عمر کی ہوں گی، جیسا کہ حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ سب جنتی ۳۳ سال کی عمر کے ہوں گے، (سنن ترمذی، باب ما جاء فی سن أهل الجنة) یا مطلب ہے کہ خاوندوں کی ہم عمر ہوں گی۔ مطلب دونوں صورتوں میں ایک ہی ہے۔

(۴) یعنی آدم علیہ السلام سے لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک کے لوگوں میں سے یا خود امت محمدیہ کے اگلوں میں سے۔

(۵) یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے یا آپ کی امت کے پچھلوں میں سے۔

(۶) اس سے مراد اہل جہنم ہیں، جن کو ان کے اعمال نامے بائیں ہاتھ میں پکڑائے جائیں گے، جو ان کی مقدر شدہ شقاوت کی علامت ہو گی۔

وَّظِلٍّ مِّنْ يَّحْمُوْمٍ ﴿۴۳﴾
اور سیاہ دھوئیں کے سائے میں۔[1] (۴۳)

لَّا بَارِدٍ وَّلَا كَرِيْمٍ ﴿۴۴﴾
جو نہ ٹھنڈا ہے نہ فرحت بخش۔[2] (۴۴)

اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُتْرَفِيْنَ ﴿۴۵﴾
بیشک یہ لوگ اس سے پہلے بہت نازوں میں پلے ہوئے تھے۔[3] (۴۵)

وَكَانُوْا يُصِرُّوْنَ عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِيْمِ ﴿۴۶﴾
اور بڑے بڑے گناہوں پر اصرار کرتے تھے۔(۴۶)

وَكَانُوْا يَقُوْلُوْنَ ۙ اَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۴۷﴾
اور کہتے تھے کہ کیا جب ہم مرجائیں گے اور مٹی اور ہڈی ہو جائیں گے تو کیا ہم پھر دوبارہ اٹھا کھڑے کیے جائیں گے۔(۴۷)

اَوَاٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿۴۸﴾
اور کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی؟[4] (۴۸)

قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ ﴿۴۹﴾
آپ کہہ دیجئے کہ یقیناً سب اگلے اور پچھلے۔(۴۹)

لَمَجْمُوْعُوْنَ ۙ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۵۰﴾
ضرور جمع کئے جائیں گے ایک مقرر دن کے وقت۔(۵۰)

ثُمَّ اِنَّكُمْ اَيُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ ﴿۵۱﴾
پھر تم اے گمراہو جھٹلانے والو!(۵۱)

لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ ﴿۵۲﴾
البتہ کھانے والے ہو تھوہر کا درخت۔(۵۲)

---

(۱) سَمُوْمٍ، آگ کی حرارت یا گرم ہوا جو مسام بدن میں گھس جائے۔ حَمِیْمٍ، کھولتا ہوا پانی' یَحْمُوْمٍ، حِمَمَۃٌ سے ہے' بمعنی سیاہ' اور احم بہت زیادہ سیاہ چیز ہو تو کہا جاتا ہے' یَحْمُوْمٍ۔ کے معنی سخت کالا دھواں مطلب یہ ہے کہ جہنم کے عذاب سے تنگ آکر وہ ایک سائے کی طرف دوڑیں گے' لیکن جب وہاں پہنچیں گے تو معلوم ہو گا کہ یہ سایہ نہیں ہے' جہنم ہی کی آگ کا سخت سیاہ دھواں ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ حَمٌّ سے ہے جو اس چربی کو کہتے ہیں جو آگ میں جل جل کر سیاہ ہو گئی ہو۔ بعض کہتے ہیں' یہ حِمَمٌ سے ہے' جو کوئلے کے معنی میں ہے۔ اسی لیے امام ضحاک فرماتے ہیں۔ آگ بھی سیاہ ہے' اہل نار بھی سیاہ رو ہوں گے اور جہنم میں جو کچھ بھی ہو گا' سیاہ ہی ہو گا۔ اللّٰهُمَّ أَجِرْنَا مِنَ النَّارِ۔

(۲) یعنی سایہ ٹھنڈا ہوتا ہے' لیکن یہ جس کو سایہ سمجھ رہے ہوں گے' وہ سایہ ہی نہیں ہو گا' جو ٹھنڈا ہو' وہ تو جہنم کا دھواں ہو گا' وَلَا كَرِيْمٍ جس میں کوئی حسن منظر یا خیر نہیں۔ یا حلاوت نہیں۔

(۳) یعنی دنیا میں آخرت سے غافل ہو کر عیش و عشرت کی زندگی میں ڈوبے ہوئے تھے۔

(۴) اس سے معلوم ہوا کہ عقیدۂ آخرت کا انکار ہی کفر و شرک اور معاصی میں ڈوبے رہنے کا بنیادی سبب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب آخرت کا تصور' اس کے ماننے والوں کے ذہنوں میں دھندلا جاتا ہے' تو ان میں بھی فسق و فجور عام ہو جاتا ہے۔ جیسے آج کل عام مسلمانوں کا حال ہے۔

فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿٥٣﴾
اور اسی سے پیٹ بھرنے والے ہو۔[1] (۵۳)

فَشٰرِبُوْنَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيْمِ ﴿٥٤﴾
پھر اس پر گرم کھولتا پانی پینے والے ہو۔(۵۴)

فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ ﴿٥٥﴾
پھر پینے والے بھی پیاسے اونٹوں کی طرح۔[2] (۵۵)

هٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿٥٦﴾
قیامت کے دن ان کی مہمانی یہ ہے۔[3] (۵٦)

نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ﴿٥٧﴾
ہم ہی نے تم سب کو پیدا کیا ہے پھر تم کیوں باور نہیں کرتے؟[4] (۵۷)

اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ﴿٥٨﴾
اچھا پھر یہ تو بتلاؤ کہ جو منی تم ٹپکاتے ہو۔(۵۸)

ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿٥٩﴾
کیا اس کا (انسان) تم بناتے ہو یا پیدا کرنے والے ہم ہی ہیں؟[5] (۵۹)

نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿٦٠﴾
ہم ہی نے تم میں موت کو متعین کر دیا ہے[6] اور ہم اس سے ہارے ہوئے نہیں ہیں۔[7] (٦۰)

---

(۱) یعنی اس کریہ المنظر اور نہایت بد ذائقہ اور تلخ درخت کا کھانا تمہیں اگرچہ سخت ناگوار ہو گا' لیکن بھوک کی شدت سے تمہیں اسی سے اپنا پیٹ بھرنا ہو گا۔

(۲) هِيْمٌ، أَهْيَمُ کی جمع ہے' ان پیاسے اونٹوں کو کہا جاتا ہے جو ایک خاص بیماری کی وجہ سے پانی پر پانی پیئے جاتے ہیں لیکن ان کی پیاس نہیں بجھتی۔ مطلب یہ ہے کہ زقوم کھانے کے بعد پانی بھی اس طرح نہیں پیو گے جس طرح عام معمول ہوتا ہے' بلکہ ایک تو بطور عذاب کے تمہیں پینے کے لیے کھولتا ہوا پانی ملے گا۔ دوسرا تم اسے پیاسے اونٹوں کی طرح پیئے جاؤ گے لیکن تمہاری پیاس دور نہیں ہو گی۔

(۳) یہ بطور استہزا اور تہکم کے فرمایا' ورنہ مہمانی تو وہ ہوتی ہے جو مہمان کی عزت کے لیے تیار کی جاتی ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے بعض مقام پر فرمایا ﴿فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ﴾ (آل عمران' ۲۱) "ان کو دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دیجئے"۔

(۴) یعنی تم جانتے ہو کہ تمہیں پیدا کرنے والا اللہ ہی ہے' پھر تم اس کو مانتے کیوں نہیں ہو؟ یا دوبارہ زندہ کرنے پر یقین کیوں نہیں کرتے؟

(۵) یعنی تمہارے بیویوں سے مباشرت کرنے کے نتیجے میں تمہارے جو قطرات منی عورتوں کے رحموں میں جاتے ہیں' ان سے انسانی شکل و صورت بنانے والے ہم ہیں یا تم؟

(٦) یعنی ہر شخص کی موت کا وقت مقرر کر دیا ہے' جس سے کوئی تجاوز نہیں کر سکتا۔ چنانچہ کوئی بچپن میں' کوئی جوانی میں اور کوئی بڑھاپے میں فوت ہوتا ہے۔

(۷) یا مغلوب اور عاجز نہیں ہیں' بلکہ قادر ہیں۔

عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۱﴾

کہ تمہاری جگہ تم جیسے اور پیدا کر دیں اور تمہیں نئے سرے سے اس عالم میں پیدا کریں جس سے تم (بالکل) بے خبر ہو۔[1] (۶۱)

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۶۲﴾

تمہیں یقینی طور پر پہلی دفعہ کی پیدائش معلوم ہی ہے پھر کیوں عبرت حاصل نہیں کرتے؟[2] (۶۲)

اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ﴿۶۳﴾

اچھا پھر یہ بھی بتلاؤ کہ تم جو کچھ بوتے ہو۔(۶۳)

ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ﴿۶۴﴾

اسے تم ہی اگاتے ہو یا ہم اگانے والے ہیں۔[3] (۶۴)

لَوْ نَشَاۗءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ﴿۶۵﴾

اگر ہم چاہیں تو اسے ریزہ ریزہ کر ڈالیں اور تم حیرت کے ساتھ باتیں بناتے ہی رہ جاؤ۔[4] (۶۵)

اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ﴿۶۶﴾

کہ ہم پر تو تاوان ہی پڑ گیا۔[5] (۶۶)

---

(۱) یعنی تمہاری صورتیں مسخ کر کے تمہیں بندر اور خنزیر بنا دیں اور تمہاری جگہ تمہاری شکل و صورت کی کوئی اور مخلوق پیدا کر دیں۔

(۲) یعنی کیوں یہ نہیں سمجھتے کہ جس طرح اس نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا (جس کا تمہیں علم ہے) وہ دوبارہ بھی پیدا کر سکتا ہے۔

(۳) یعنی زمین میں تم جو بیج بوتے ہو' اس سے ایک درخت زمین کے اوپر نمودار ہو جاتا ہے۔ غلے کے ایک بے جان دانے کو پھاڑ کر اور زمین کے سینے کو چیر کر اس طرح درخت اگانے والا کون ہے؟ یہ بھی منی کے قطرے سے انسان بنا دینے کی طرح ہماری ہی قدرت کا شاہکار ہے یا تمہارے کسی ہنر یا چھو منتر کا نتیجہ ہے؟

(۴) یعنی کھیتی کو سرسبز و شاداب کرنے کے بعد' جب وہ پکنے کے قریب ہو جائے تو ہم اگر چاہیں تو اسے خشک کر کے ریزہ ریزہ کر دیں اور تم حیرت سے منہ ہی تکتے رہ جاؤ۔ تَفَكُّهٌ اضداد میں سے ہے اس کے معنی نعمت و خوش حالی بھی ہیں اور حزن و یاس بھی۔ یہاں دوسرے معنی مراد ہیں' اس کے مختلف معانی کیے گئے ہیں' تَنَوَّعُوْنَ كَلَامَكُمْ، تَنْدَمُوْنَ، تَحْزَنُوْنَ، تَعْجَبُوْنَ، تَلَاوَمُوْنَ اور تَفَجَّعُوْنَ وغیرہ۔ ظَلْتُمْ ' اصل میں ظَلَلْتُمْ بمعنی صِرْتُمْ اور تَفَكَّهُوْنَ تَتَفَكَّهُوْنَ ہے۔

(۵) یعنی ہم نے پہلے زمین پر ہل چلا کر اسے ٹھیک کیا پھر بیج ڈالا' پھر اسے پانی دیتے رہے' لیکن جب فصل کے پکنے کا وقت آیا تو وہ خشک ہو گئی' اور ہمیں کچھ بھی نہ ملا یعنی یہ سارا خرچ اور محنت' ایک تاوان ہی ہوا جو ہمیں برداشت کرنا پڑا۔ تاوان کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ انسان کو اس کے مال یا محنت کا معاوضہ نہ ملے' بلکہ وہ یوں ہی ضائع ہو جائے یا زبردستی اس سے کچھ وصول کر لیا جائے اور اس کے بدلے میں اسے کچھ نہ دیا جائے۔

بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿۶۷﴾

بلکہ ہم بالکل محروم ہی رہ گئے۔(۶۷)

اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ ﴿۶۸﴾

اچھا یہ بتاؤ کہ جس پانی کو تم پیتے ہو۔(۶۸)

ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ﴿۶۹﴾

اسے بادلوں سے بھی تم ہی اتارتے ہو یا ہم برساتے ہیں؟(۶۹)

لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۰﴾

اگر ہماری منشا ہو تو ہم اسے کڑوا زہر کردیں پھر تم ہماری شکر گزاری کیوں نہیں کرتے؟[1] (۷۰)

اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِيْ تُوْرُوْنَ ﴿۷۱﴾

اچھا ذرا یہ بھی بتاؤ کہ جو آگ تم سلگاتے ہو۔(۷۱)

ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَآ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِئُوْنَ ﴿۷۲﴾

اس کے درخت کو تم نے پیدا کیا ہے یا ہم اس کے پیدا کرنے والے ہیں؟[2] (۷۲)

نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّمَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ ﴿۷۳﴾

ہم نے اسے سبب نصیحت[3] اور مسافروں کے فائدے کی چیز بنایا ہے۔[4] (۷۳)

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۷۴﴾

پس اپنے بہت بڑے رب کے نام کی تسبیح کیا کرو۔(۷۴)

---

(۱) یعنی اس احسان پر ہماری اطاعت کر کے ہمارا عملی شکر ادا کیوں نہیں کرتے؟

(۲) کہتے ہیں عرب میں دو درخت ہیں' مرخ اور عفار' ان دونوں سے ٹہنیاں لے کر' ان کو آپس میں رگڑا جائے تو اس سے آگ کے شرارے نکلتے ہیں۔

(۳) کہ اس کے اثرات اور فوائد حیرت انگیز ہیں اور دنیا کی بے شمار چیزوں کی تیاری کے لیے اسے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت حاصل ہے۔ جو ہماری قدرت عظیمہ کی نشانی ہے' پھر ہم نے جس طرح دنیا میں یہ آگ پیدا کی ہے' ہم آخرت میں بھی پیدا کرنے پر قادر ہیں۔ جو اس سے ۶۹ درجہ حرارت میں زیادہ ہوگی۔ (كَمَا فِي الْحَدِيْثِ)

(۴) مُقْوِيْنَ، مُقْوِی کی جمع ہے 'قَوَآءٌ' یعنی خالی صحرا میں داخل ہونے والا' مراد مسافر ہے۔ یعنی مسافر صحراؤں اور جنگلوں میں ان درختوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں' اس سے روشنی' گرمی اور ایندھن حاصل کرتے ہیں۔ بعض نے مُقْوِی سے وہ فقرا مراد لیے ہیں جو بھوک کی وجہ سے خالی پیٹ ہوں۔ بعض نے اس کے معنی مُسْتَمْتِعِيْنَ (فائدہ اٹھانے والے) کیے ہیں۔ اس میں امیر' غریب' مقیم اور مسافر سب آجاتے ہیں اور سب ہی آگ سے فائدہ اٹھاتے ہیں' اسی لیے حدیث میں جن تین چیزوں کو عام رکھنے کا اور ان سے کسی کو نہ روکنے کا حکم دیا گیا ہے' ان میں پانی اور گھاس کے علاوہ آگ بھی ہے' (أبوداود' كتاب البيوع' باب في منع الماء' وسنن ابن ماجه' كتاب الرهون' باب المسلمون شركاء في ثلاث) امام ابن کثیر نے اس مفہوم کو زیادہ پسند کیا ہے۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ﴿۷۵﴾
پس میں قسم کھاتا ہوں ستاروں کے گرنے کی۔(۱) (۷۵)

وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ ﴿۷۶﴾
اور اگر تمہیں علم ہو تو یہ بہت بڑی قسم ہے۔(۷۶)

اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ﴿۷۷﴾
کہ بیشک یہ قرآن بہت بڑی عزت والا ہے۔(۲) (۷۷)

فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ﴿۷۸﴾
جو ایک محفوظ کتاب میں درج ہے۔(۳) (۷۸)

لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ﴿۷۹﴾
جسے صرف پاک لوگ ہی چھو سکتے ہیں۔(۴) (۷۹)

تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۰﴾
یہ رب العالمین کی طرف سے اترا ہوا ہے۔(۸۰)

اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ﴿۸۱﴾
پس کیا تم ایسی بات کو سرسری (اور معمولی) سمجھ رہے ہو؟(۵) (۸۱)

وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۸۲﴾
اور اپنے حصے میں یہی لیتے ہو کہ جھٹلاتے پھرو۔(۸۲)

فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ﴿۸۳﴾
پس جبکہ روح نرخرے تک پہنچ جائے۔(۸۳)

---

(۱) فَلَآ اُقْسِمُ میں لا زائد ہے جو تاکید کے لیے ہے۔ یا یہ زائد نہیں ہے۔ بلکہ ماقبل کی کسی چیز کی نفی کے لیے ہے۔ یعنی یہ قرآن کہانت یا شاعری نہیں ہے بلکہ میں ستاروں کے گرنے کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ قرآن عزت والا ہے..... مَوَاقِعُ النُّجُومِ سے مراد ستاروں کے طلوع و غروب کی جگہیں اور ان کی منزلیں اور مدار ہیں۔ بعض نے ترجمہ کیا ہے "قسم کھاتا ہوں آیتوں کے اترنے کی پیغمبروں کے دلوں میں (موضح القرآن) یعنی نجوم' قرآن کی آیات اور مواقع' قلوب انبیا۔ بعض نے اس کا مطلب قرآن کا آہستہ آہستہ بتدریج اترنا اور بعض نے قیامت والے دن ستاروں کا جھڑنا مراد لیا ہے۔ (ابن کثیر)

(۲) یہ جواب قسم ہے۔

(۳) یعنی لوح محفوظ ہیں۔

(۴) لَا يَمَسُّهٗ، میں ضمیر کا مرجع لوح محفوظ ہے اور پاک لوگوں سے مراد فرشتے' بعض نے اس کا مرجع' قرآن کریم کو بنایا ہے یعنی اس قرآن کو فرشتے ہی چھوتے ہیں' یعنی آسمانوں پر فرشتوں کے علاوہ کسی کی بھی رسائی اس قرآن تک نہیں ہوتی۔ مطلب مشرکین کی تردید ہے جو کہتے تھے کہ قرآن شیاطین لے کر اترتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا یہ کیوں کر ممکن ہے۔ یہ قرآن تو شیطانی اثرات سے بالکل محفوظ ہے۔

(۵) حدیث سے مراد قرآن کریم ہے مُدَاهَنَة' وہ نرمی جو کفر و نفاق کے مقابلے میں اختیار کی جائے دراں حالیکہ ان کے مقابلے میں سخت تر رویے کی ضرورت ہے۔ یعنی اس قرآن کو اپنانے کے معاملے میں تمام کافروں کو خوش کرنے کے لیے نرمی اور اعراض کا راستہ اختیار کر رہے ہو۔ حالانکہ یہ قرآن جو مذکورہ صفات کا حامل ہے' اس لائق ہے کہ اسے نہایت خوشی سے اپنایا جائے۔

وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ ﴿۸۴﴾	اور تم اس وقت آنکھوں سے دیکھتے رہو۔[1] (۸۴)
وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ﴿۸۵﴾	ہم اس شخص سے بہ نسبت تمہارے بہت زیادہ قریب ہوتے ہیں[2] لیکن تم نہیں دیکھ سکتے۔[3] (۸۵)
فَلَوْلَآ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ ﴿۸۶﴾	پس اگر تم کسی کے زیر فرمان نہیں۔(۸۶)
تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۸۷﴾	اور اس قول میں سچے ہو تو (ذرا) اس روح کو تو لوٹاؤ۔[4] (۸۷)
فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۸۸﴾	پس جو کوئی بارگاہ الٰہی سے قریب کیا ہوا ہو گا۔[5] (۸۸)
فَرَوْحٌ وَّ رَيْحَانٌ ۙ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ ﴿۸۹﴾	اسے تو راحت ہے اور غذائیں ہیں اور آرام والی جنت ہے۔(۸۹)
وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۹۰﴾	اور جو شخص داہنے (ہاتھ) والوں میں سے ہے۔[6] (۹۰)
فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۹۱﴾	تو بھی سلامتی ہے تیرے لیے کہ تو داہنے والوں میں سے ہے۔(۹۱)

(۱) یعنی روح نکلتے ہوئے دیکھتے ہو لیکن اسے ٹال سکنے کی یا اسے کوئی فائدہ پہنچانے کی قدرت نہیں رکھتے۔

(۲) یعنی مرنے والے کے ہم، تم سے بھی زیادہ قریب ہوتے ہیں۔ اپنے علم، قدرت اور رؤیت کے اعتبار سے۔ یا ہم سے مراد اللہ کے کارندے یعنی موت کے فرشتے ہیں جو اس کی روح قبض کرتے ہیں۔

(۳) یعنی اپنی جہالت کی وجہ سے تمہیں اس بات کا ادراک نہیں کہ اللہ تو تمہاری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے یا روح قبض کرنے والے فرشتوں کو تم دیکھ نہیں سکتے۔

(۴) دَانَ يَدِيْنُ کے معنی ہیں، ماتحت ہونا، دوسرے معنی ہیں بدلہ دینا۔ یعنی اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ کوئی تمہارا آقا اور مالک نہیں جس کے تم زیر فرمان اور ماتحت ہو یا کوئی جزا سزا کا دن نہیں آئے گا، تو اس قبض کی ہوئی روح کو اپنی جگہ پر واپس لوٹا کر دکھاؤ اور اگر تم ایسا نہیں کر سکتے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ تمہارا گمان باطل ہے۔ یقیناً تمہارا ایک آقا ہے اور یقیناً ایک دن آئے گا جس میں وہ آقا ہر ایک کو اس کے عمل کی جزا دے گا۔

(۵) سورت کے آغاز میں اعمال کے لحاظ سے انسانوں کی جو تین قسمیں بیان کی گئی تھیں، ان کا پھر ذکر کیا جا رہا ہے۔ یہ ان کی پہلی قسم ہے جنہیں مقربین کے علاوہ سابقین بھی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ نیکی کے ہر کام میں آگے آگے ہوتے ہیں اور قبول ایمان میں بھی وہ دوسروں سے سبقت کرتے ہیں اور اپنی اسی خوبی کی وجہ سے وہ مقربین بارگاہ الٰہی قرار پاتے ہیں۔

(۶) یہ دوسری قسم ہے، عام مومنین۔ یہ بھی جہنم سے بچ کر جنت میں جائیں گے، تاہم درجات میں سابقین سے کم تر ہوں گے۔ موت کے وقت فرشتے ان کو بھی سلامتی کی خوش خبری دیتے ہیں۔

وَأَمَّآ إِن كَانَ مِنَ ٱلْمُكَذِّبِينَ ٱلضَّآلِّينَ ﴿٩٢﴾
لیکن اگر کوئی جھٹلانے والوں گمراہوں میں سے ہے۔[1] (۹۲)

فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيمٍ ﴿٩٣﴾
تو کھولتے ہوئے گرم پانی کی مہمانی ہے۔(۹۳)

وَتَصْلِيَةُ جَحِيمٍ ﴿٩٤﴾
اور دوزخ میں جانا ہے۔(۹۴)

إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ حَقُّ ٱلْيَقِينِ ﴿٩٥﴾
یہ خبر سراسر حق اور قطعاً یقینی ہے۔(۹۵)

فَسَبِّحْ بِٱسْمِ رَبِّكَ ٱلْعَظِيمِ ﴿٩٦﴾
پس تو اپنے عظیم الشان پروردگار کی تسبیح کر۔[2] (۹۶)

سُورَةُ الْحَدِيدِ

سورۂ حدید مدنی ہے اور اس میں انتیس آیتیں اور چار رکوع ہیں۔

بِسْمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحْمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ
شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

سَبَّحَ لِلَّهِ مَا فِى ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ ۖ وَهُوَ ٱلْعَزِيزُ ٱلْحَكِيمُ ﴿١﴾
آسمانوں اور زمین میں جو ہے (سب) اللہ کی تسبیح کر رہے ہیں،[3] وہ زبردست باحکمت ہے۔(۱)

لَهُۥ مُلْكُ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ ۖ يُحْىِۦ وَيُمِيتُ ۖ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَىْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢﴾
آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اسی کی ہے،[4] وہی زندگی دیتا ہے اور موت بھی اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔(۲)

هُوَ ٱلْأَوَّلُ وَٱلْءَاخِرُ وَٱلظَّٰهِرُ وَٱلْبَاطِنُ ۖ وَهُوَ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيمٌ ﴿٣﴾
وہی پہلے ہے اور وہی پیچھے، وہی ظاہر ہے اور وہی مخفی،[5] اور وہ ہر چیز کو بخوبی جاننے والا ہے۔(۳)

---

(۱) یہ تیسری قسم ہے جنہیں آغاز سورت میں أَصْحَابُ الْمَشْئَمَةِ کہا گیا تھا، بائیں ہاتھ والے یا حاملین نحوست- یہ اپنے کفرونفاق کی سزا یا اس کی نحوست عذاب جہنم کی صورت میں بھگتیں گے۔

(۲) حدیث میں آتا ہے کہ دو کلمے اللہ کو بہت محبوب ہیں، زباں پر ہلکے اور وزن میں بھاری- سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيمِ (صحيح بخاری "آخری حدیث" وصحیح مسلم کتاب الذکر، باب فضل التهليل والتسبيح والدعاء)

(۳) یہ تسبیح زبان حال سے نہیں، بلکہ زبان مقال سے ہے اسی لیے فرمایا گیا ہے، ﴿ وَلَٰكِن لَّا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ ﴾ (بنی إسرائيل-۴۴) "تم انکی تسبیح نہیں سمجھ سکتے"- حضرت داود علیہ السلام کے بارے میں آتا ہے کہ انکے ساتھ پہاڑ بھی تسبیح کرتے تھے۔ (الأنبياء، ۷۹) اگر یہ تسبیح حال یا تسبیح دلالت ہوتی تو حضرت داود علیہ السلام کے ساتھ اسکو خاص کرنے کی ضرورت ہی نہ ہوتی۔

(۴) اس لیے وہ ان میں جس طرح چاہتا ہے تصرف فرماتا ہے، اس کے سوا ان میں کسی کا حکم اور تصرف نہیں چلتا- یا مطلب ہے کہ بارش، نباتات اور روزیوں کے سارے خزانے اسی کی ملک میں ہیں۔

(۵) وہی اول ہے یعنی اس سے پہلے کچھ نہ تھا، وہی آخر ہے، اس کے بعد کوئی چیز نہیں ہوگی، وہی ظاہر ہے یعنی وہ سب پر غالب ہے، اس پر کوئی غالب نہیں- وہی باطن ہے، یعنی باطن کی ساری باتوں کو صرف وہی جانتا ہے یا لوگوں کی نظروں